قرآن حکیم اور عصرِ حاضر
کے علمی، فکری اور عملی تقاضے

خطاب : ڈاکٹر اسرار احمد

ترتیب و تسوید : ڈاکٹر ایف ایم ناز / فرقان دانش خان

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات :

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○ ﴾ (العلق : ۱ - ۵) ﴿ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ○ ﴾ (القلم : ۱) ﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ○ ﴾ (بنی اسرائیل : ۳۶) ﴿ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ ﴾ (الزمر : ۳۸) ﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا... ﴾ (البقرۃ : ۳۱) ﴿ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ ﴾ (البقرۃ : ۳۸) ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ○ ﴾ (الفتح : ۲۸) —— صدق اللّٰہ العظیم

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

معزز حاضرین! اعلان کے مطابق تو میری آج کی گفتگو کا موضوع ہے "قرآن حکیم اور عصر حاضر کے علمی اور فکری تقاضے" لیکن میں آپ حضرات سے اجازت چاہتا ہوں کہ اپنے اس موضوع میں تھوڑی سی توسیع کروں، یعنی "قرآن حکیم اور عصرِ حاضر کے علمی، فکری اور عملی تقاضے۔" اس لئے کہ میرے نزدیک انسانی شخصیت کے دو رُخ ہیں : علم و فکر اور عمل و کردار۔ ان دونوں کے مجموعے کا نام انسانی شخصیت ہے اور یہ

© rasailojaraid.com

دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں۔ انسان کے علم و فکر یعنی نظریات و افکار ہی کا ظہور اس کے کردار' اس کے اعمال' اس کے اخلاق اور اس کے معاملات میں ہوتا ہے۔ ان دونوں کے مابین چولی دامن کا ساتھ ہے۔ فکر صحیح ہوگا تو عملی روش بھی صحیح ہوگی' فکر ہی غلط ہوگا ع "خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج" تو عمل کا سارا قصر ہی کج تعمیر ہوگا۔ فکر محدود ہوگا تو عمل بھی محدود ہوگا۔ فکر میں وسعت ہوگی تو کردار میں بھی وسعت ہوگی۔

ایک بات اور نوٹ کر لیجئے کہ لزوم کا یہ سارا معاملہ یک طرفہ نہیں ہے۔ جیسے انسان کی فکر' اس کی سوچ' اس کے نظریات' اس کے افکار' اثر انداز ہوتے ہیں اس کے طرزِ عمل پر' اس کے کردار پر' اس کے اعمال پر' اسی طرح بلکہ اسی قدر انسان کا کردار اور اس کا عمل اثر انداز ہوتا ہے اس کے فکر پر۔ اگر کسی سبب سے انسان کا علم اگرچہ بلندی پر پہنچ چکا ہو' فکری اعتبار سے انسان ترفع حاصل کر چکا ہو' لیکن عمل میں پیچھے رہ جائے' یعنی فکر کے اعلیٰ تقاضے پورے نہ کرے تو پھر انسانی شخصیت میں Reverse Gear بھی لگتا ہے اور انسان کے فکر میں بھی زوال آتا ہے۔ ع "نہ ہو نومید' نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے!" انسان کا عمل اور اُس کا کردار اُس کے علم اور فکر پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے میں چاہتا ہوں کہ آج سب سے پہلے آپ کے سامنے اس حقیقت کو رکھوں کہ ہمارا جو دورِ زوال ہے بحیثیت اُمّتِ مسلمہ' صدیوں کا انحطاط' صدیوں کا زوال اس کے مظاہر کیا ہیں' جو میرے آج کے موضوع سے متعلق ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا' انسانی شخصیت کے دو رخ ہیں' علم و عمل۔ پھر علم کے بھی دو حصّے ہیں۔ اس حصّے پر مجھے بعد میں قدرے تفصیل سے بھی عرض کرنا ہے۔ اس وقت اجمالاً نوٹ کیجئے۔ علم کا ایک حصّہ دُنیوی علم کہلاتا ہے جبکہ دوسرا دینی علم۔ گویا علم کی دو شاخیں ہیں۔ اس کے ضمن میں علامہ ابن خلدون کا یہ قول ہے کہ "اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ : عِلْمُ الْاَبْدَانِ وَعِلْمُ الْاَدْیَانِ" یعنی علم دو حصّوں پر مشتمل ہے' یا علم کی دو شاخیں ہیں : ایک ہے علم الابدان' Physical Bodies کا علم' Physical Objects کا علم یا مادی علم۔ اسی کو ہم دُنیوی علم کہتے ہیں' اور ایک ہے علم الادیان یعنی دین کا علم' شرائع سماویہ کا علم' ہدایت آسمانی کا علم۔ ان دونوں کے مابین بد قسمتی سے ہمارے ہاں ایک ثنویت قائم ہو گئی ہے' جدائی پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارا جو مذہبی حلقہ ہے وہ علم کے نام سے صرف علم دین

© rasailojaraid.c

سے واقف ہے۔ بقیہ علم تو گویا سیکولر قرار دیا جا چکا ہے۔ حالانکہ از روئے قرآن وہ بھی درحقیقت علمِ حقیقت ہی کا ایک پرتو ہے۔ قرآن اس کی اہمیت کو بھی emphasize کرتا ہے۔ لیکن ہمارے زوال اور انحطاط کا مظہرِ اول یہ ہے کہ ہمارے ہاں کم از کم مذہبی حلقہ میں علم کا اطلاق محدود ہو کر رہ گیا ہے صرف ایک حصہ پر، یعنی علم دین یا علم شریعت یا آسمانی ہدایت کا علم۔

اسی طرح ہر شخص جانتا ہے کہ عمل کے بھی دو حصے ہیں : عبادات اور معاملات۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے ہاں دینی مزاج رکھنے والے طبقہ میں سارے کا سارا زور عبادات پر ہے۔ ساری سوچ وبچار اور سارا غور و فکر عبادات تک محدود ہے۔ چنانچہ کسی انسان میں اگر کوئی مذہبی جذبہ بیدار ہو بھی جاتا ہے، خواہ سبب کچھ بھی رہا ہو، تو بھی اس کا سارا زور، اس کا جوش و جذبہ، اس کا سارا خروش عبادات پر مرتکز ہو کر رہ جاتا ہے۔ معاملاتِ زندگی کو بالعموم ہم نے دین و مذہب کے دائرہ سے خارج کر دیا ہے۔ جبکہ معاملات کے بھی مزید دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک محدود سے حلقہ میں انسان کا اپنا ذاتی کردار ہے۔ یہ حلقہ اس کے دوستوں، آباء و اجداد، اولاد، گھر والوں، محلے والوں، دفتر والوں یا Business Colleagues پر محیط ہو سکتا ہے۔ چلئے! اس کے بارے میں یہ خیال بھی درست ہے کہ یہ معاملات صداقت، امانت، خلوص اور اخلاص پر مبنی ہونے چاہئیں۔ لیکن ایک وسیع تر سطح پر انسان کا اجتماعی فلاحی نظام (System of Social Justice) بھی دین ہی کا موضوع ہے، اس کی بھی دین میں اتنی ہی اہمیت ہے۔ لیکن ہمارے مذہبی طبقہ کے تصورات سے یہ چیز خارج ہو چکی ہے۔ ٹھیک ہے انفرادی حد تک دین کے تقاضے پورے کرنا بھی ضروری ہے، عبادات سے بڑھ کر بھی کسی درجہ میں، جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے، سچ بولے، کسی سے خیانت نہ کرے، وعدہ خلافی نہ کرے، اپنے ایک دائرہ میں معاملات کو درست کرے۔ لیکن اس سے آگے یہ کہ پورے انسانی معاشرے اور نظامِ اجتماعی کے حوالے سے سیاسی سطح پر جو گھٹن (repression) ہے، معاشی سطح پر جو استحصال (exploitation) ہے اور سماجی سطح پر جو امتیاز (discrimination) ہے، ان کے خلاف جدوجہد (struggle)، محنت اور اس کے لئے ایثار و قربانی، یہ بھی دین کا موضوع ہے۔ یہ شے ہمارے دینی تصورات سے خارج ہو

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

چکی ہے۔

میں اپنی اس بات کا خلاصہ بیان کروں تو میں نے پانچ اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ایک علم تو علم الابدان ہے' Physical Bodies کا علم یا وہ علم کہ جس کو علم الاشیاء کہیں گے۔ دوسرا علم جو آسمانی ہدایت' اللہ کی شریعت' اوامر و نواہی' حلال و حرام اور فرائض کا علم ہے۔ تیسری شے عبادات' چوتھی شے انفرادی زندگی میں انسان کا رویہ اور آخری اور پانچویں شے اجتماعی نظام کو درست کرنا اور اس میں سے ظلم و استحصال کا خاتمہ کرنا۔ ان پانچ میں سے اکثر و بیشتر ہمارا مذہبی طبقہ صرف ایک چیز یعنی عبادات پر قائم و دائم ہے۔ جن لوگوں کا فکر یا شعور کچھ وسیع تر ہوتا ہے وہ اس سے آگے بڑھ کر علم دین کے حصول تک چلا جاتا ہے یا ادھر اپنی ذاتی زندگی کی حد تک معاملات کو درست کر لیتا ہے۔ درحقیقت آج کا سب سے بڑا dilemma ہی یہ ہے۔ جب تک یہ عقدہ حل نہیں ہو گا امت مسلمہ کی حالت تبدیل نہیں ہو گی۔ چنانچہ وہ علم جسے ہم نے سیکولر قرار دے دیا ہے' اس کے بارے میں ہمیں اپنا موجودہ تصور بدلنا ہو گا' یعنی یہ علم بھی اصلاً اسی حقیقت کا ایک پرتو ہے جس کا ایک پہلو' ایک aspect "علم دین" ہے۔ یہ میں ذرا بعد میں تفصیل سے عرض کروں گا۔ دوسرے ہمیں اس شعور کو عام کرنا ہو گا کہ انسان کی عملی زندگی میں اس کے کردار کا اصلی ٹیسٹ یہ ہے کہ وہ دنیا سے ظلم اور استحصال کے خاتمہ کے لئے قربانی دینے' جدوجہد کرنے' ایثار اور سعی و جدوجہد کے لئے آمادہ ہے یا نہیں؟

علم کی اقسام

اب اس تمہید کے بعد میں عرض کروں گا کہ جہاں تک میں نے قرآن حکیم کا مطالعہ کیا ہے اس کے مطابق قرآن کا فلسفہ علم کیا ہے؟ اور علم کی کون کون سی اقسام ہیں؟ میں آج چاہتا ہوں کہ اس کا ایک مختصر سا خاکہ آپ کے سامنے رکھوں۔ ابن خلدون کا قول میں آپ کو سنا چکا ہوں : العلم علمان : علم الابدان و علم الادیان۔ قرآن حکیم میں سورۃ البقرۃ کا چوتھا رکوع اس موضوع پر نقطۂ عروج (Climax) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں انسان کا مقام اس کائنات میں معین ہوا :

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾

(آیت ۳۰)

© rasailojaraid.com

"اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

یہ انسان کا مقام ہے کہ اس کائنات کے خالق و مالک نے اسے اپنا نائب قرار دیا ہے۔ یقیناً انسان ایک حیوان بھی ہے' لیکن نظریۂ ارتقاء کے ماننے والے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انسان اگرچہ حیوان ہے لیکن Evolution Tree کی انتہائی بلندی پر کھڑا ہے۔ گویا ان کے نزدیک انسان ایک انتہائی ارتقاء یافتہ حیوان ہے۔ لیکن قرآن یہ بتاتا ہے کہ یہ محض حیوان نہیں کچھ اور بھی ہے۔ اس کے اندر کوئی اضافی حقیقت ہے۔ بہرحال میں یہاں صرف اشارہ کر رہا ہوں کہ انسان کو اگر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے تو اس خلافت کی اساس اور بنیاد کیا ہے؟ قرآن سے اس سلسلے میں ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے :

﴿... قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا...﴾

© rasailojaraid.co

یعنی جب فرشتوں نے بطورِ استفہام عرض کیا یا انہوں نے بات سمجھنے کے لئے عرض کیا کہ کیا تو اسے اپنا نائب بنا رہا ہے جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا' تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جو وضاحت فرمائی وہ یہ ہے کہ ہم اسے علم دے رہے ہیں' اس کی خلافت کی بنیاد علم ہے۔ لیکن کون سا علم؟ وہ علم الاسماء تھا۔

اس رکوع کے آخر میں ایک دوسرے علم کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔ جب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو ایک آزمائشی جنت میں رکھا گیا اور ان کے سامنے انہیں ایک تجربہ کرا دیا گیا کہ ان کا ایک دشمن ہے جو انہیں ورغلانے کی کوشش کرے گا' اس کے ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔ پھر جو بھی خطا ہوئی اس کے بعد قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ آدم و حوا نے استغفار کیا :

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ﴾ (الاعراف : ۲۳)

تو ان کی توبہ قبول ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ اب یہاں سے اترو' جہاں کے لئے تمہاری تخلیق ہوئی اب اس کا چارج سنبھالو۔ اس کے بعد فرمایا :

© rasailojaraid.co

﴿ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ ﴾

"اب جب تمہارے پاس پہنچے گی میری جانب سے کوئی ہدایت تو جو کوئی پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی اس کو نہ کوئی خوف لاحق ہو گا اور نہ وہ کسی حزن سے دوچار ہو گا۔"

اور اس کے ساتھ ہی فرمایا :

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ﴾

"اور جو ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور ان کا انکار کریں گے وہ آگ والے ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

یہ دوسرا علم ہے۔ یوں سمجھئے جیسے پرکار کے اگر دونوں بازو جوڑ دیئے جائیں تو تقریباً ایک ہی شے نظر آئے گی۔ کھول دیجئے تو گویا کہ پرکار کھل گئی ہے۔ علم کی یہ دونوں شاخیں پرکار کی مانند ہیں۔ اس رکوع کے شروع میں ایک علم کا تذکرہ ہے جس کا عنوان ہے "علم الاسماء" یعنی طبعی علوم' جبکہ دوسرا علم ہدایت ربانی ہے۔ دونوں کا ذکر قرآن حکیم برابر کے اہتمام کے ساتھ کر رہا ہے۔ بلکہ مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایک بڑی پیاری بات مولانا اشرف علی تھانویؒ کے قول کی صورت میں نقل کی ہے۔ وہ بہت بڑے صوفی اور بہت بڑے عالم دین تھے' لیکن انہوں نے جو بات کہی وہ اس عمومی تصور کے برعکس ہے جو میں اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے دینی تصورات میں اضمحلال آ چکا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ معلوم ہوا کہ خلافت کی بنیاد علم و فہم ہے' عبادت و ریاضت نہیں۔ یہ بات درحقیقت ایک بہت بڑے عالم دین کی طرف سے بڑی اہمیت کی حامل ہے' کیونکہ عام تصور وہی ہے کہ سارے کا سارا زور عبادت و ریاضت پر ہے۔ چنانچہ دینی جذبہ کل کا کل ڈھل جاتا ہے اور بہہ نکلتا ہے اسی نشیب کی طرف۔ علم و فہم' اس کی اہمیت' اس کا مقام دینی تصورات سے خارج ہو چکا ہے۔ تاہم قرآن مجید کے اس مقام سے ثابت ہوا کہ خلافت و امامت کا تعلق عبادت و ریاضت سے نہیں ہے۔

یہاں میں نے ایک اضافہ کیا ہے۔ میرے نزدیک ایک دوسری اصطلاح "امامت"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.

بھی اہمیت کی حامل ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں یہ لفظ امامت ایک تو چونکہ اہل تشیع کے ہاں ایک مستقل عقیدہ کی شکل اختیار کر گیا ہے، پھر یہ کہ یہ لفظ ہمارے ہاں امراء و حکام کے لئے بھی استعمال ہونے کے باعث متنازعہ حیثیت اختیار کیا گیا ہے، لیکن قرآن مجید کی حد تک اگر ہم دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ خلافت و امامت کا فرق جو ہے وہ اس اعتبار سے کہ خلافت کا لفظ حکومت کے لئے آتا ہے: ﴿ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ ﴾ (ص : ۲۶) "اے داؤد (علیہ السلام)! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا"۔ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ تھے۔ یہ حاکمیت، حکومت، بادشاہت کے لئے لفظ "خلافت" ہے۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ (البقرۃ : ۱۲۴) "میں تمہیں پوری نوعِ انسانی کے لئے امام بنانے والا ہوں"۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی حکومت قائم نہیں ہوئی، آپؑ کسی ریاست کے سربراہ نہیں تھے، کہیں کوئی تمکن فی الارض حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل نہیں ہوا۔ اسی طرح سے سورۃ السجدۃ میں آیت آئی ہے کہ: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی ہم نے ان میں سے ایسے امام اٹھائے کہ جو ہمارے اذن اور ہماری توفیق سے لوگوں کی ہدایت پر مامور تھے، ان کو ہدایت کی طرف بلاتے تھے۔ اور میں آج سوچ رہا تھا کہ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ لفظ امام استعمال ہوتا ہے علماء کے لئے جو بہت بڑے ائمہ حدیث ہیں یا ائمہ فقہ ہیں۔ مثلاً امام بخاری، امام ابو حنیفہ، امام مالک رحمہم اللہ، ان کا حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا، یہ علم کے امام تھے، علم جو وراثت نبوت ہے، جس کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑی، ان کی وراثت تو علم ہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہدایت و علم اور خاص طور پر علم کا وہ حصہ ﴿ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ﴾ اس کا تعلق امامت سے ہے، لیکن یہ حکومت، غلبہ، تمکن، زمین پر بااختیار ہونا، اس کے لئے لفظ "خلافت" استعمال ہوا ہے۔

انسانی علم کے ذرائع

اب جو یہ تقسیم میں آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں، علم کے دو حصے، اس کی مزید ایک تقسیم ہے جو شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے کی ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ

© rasailojaraid

نے فلسفہ اور تصوف کے غامض موضوعات پر تین چھوٹے چھوٹے رسالے تصنیف فرمائے : ھمعات ،لمعات اور سطعات۔ بعض حضرات تو ان ناموں سے واقف ہوں گے ، لیکن بعض حضرات کے لئے شاید یہ نام بھی نئے ہوں۔ چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں لیکن بہت دقیق۔ شاہ اسمٰعیلؒ نے اپنے دادا کی ان تصانیف کی تسہیل اور تفہیم کے لئے کتاب لکھی جس کا نام "عبقات" ہے۔ اس کا پہلا عبقہ بہت مختصر ہے ، کوئی ایک یا سوا صفحہ کا وہ باب ہے۔ جب میں نے وہ کتاب پڑھی تو ان کے تبحر علمی اور ان کے فہم کی گہرائی کا مجھے اندازہ ہوا۔ انہوں نے انسانی علم کے تین ذرائع (Sources) معین کئے ہیں۔ دراصل یہی میری آج کی گفتگو کا موضوع ہے۔ انسانی علم کے ذرائع کیا ہیں۔

نمبر۱ : حواس (Sence Organs) کے ذریعے ہمیں جو معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ حواس ظاہری سے ہمیں حاصل ہونے والی معلومات کو آپ Sense Data کہہ سکتے ہیں۔

نمبر۲ : علم بالعقل ، وہ علم جس کا تعلق ہمارے دماغ سے ہے۔ اس کو واضح طور پر سمجھ لیجئے کہ جب مجرد عقل کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس کا تعلق دماغ سے ہے ، اس کمپیوٹر سے ہے جو Sense Data کو Process کرتا ہے۔ میں نے آغاز میں سورۂ بنی اسرائیل کی جو آیات پڑھی ہیں ، ان میں سمع ، بصر اور فواد کے تین لفظ آئے ہیں :

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ ﴾ یعنی جن چیزوں کا تمہیں علم حاصل نہ ہو اس پر کوئی موقف قائم نہ کرو ، اس کے پیچھے نہ پڑو ، اپنے موقف اور اپنے طرزِ عمل کی بنیاد علم پر رکھو۔ اور اس کے ذرائع کیا ہیں : سمع ، بصر اور فواد۔ یہاں فواد کا ترجمہ عام طور پر کیا جاتا ہے "دل"۔ مجھے اس سے اختلاف ہے۔ میرے نزدیک اس فواد سے مراد ہے "عقل"۔ Sense Data کو Process کرتا ہے ہمارا یہ دماغ کا کمپیوٹر ، نتیجہ نکالتا ہے ، infer کرتا ہے۔ مثلاً پرانے زمانے میں کسی نے دیکھا ہو گا کہ دو پتھر ٹکرا گئے ، کوئی چٹان کسی دوسری چٹان کے اُوپر گری اور اس سے آگ کا ایک شعلہ پیدا ہوا۔ یہ انسان کا مشاہدہ تھا۔ اسی مشاہدے (Observation) سے پھر انسان نے آگ ایجاد کی۔ پتھروں کو ٹکرایا اور آگ نکالی۔ تصور کیجئے جبکہ انسان ابھی آگ کو جانتا بھی نہیں تھا ، ابھی توانائی کے سب سے پہلے ذریعہ

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

سے وہ واقف نہیں تھا۔ جب کہیں اتفاقاً کسی نے یہ معاملہ دیکھا ہو گا جو اس کی observation تھی، پھر اس نے نتیجہ نکالا ہو گا اور اپنے اعضاء و جوارح سے experimentaion کیا ہو گا تاکہ جو بھی نتیجہ اس نے نکالا اسے verify کرے کہ کیا ایسا واقعتاً ہوتا ہے۔ پھر پتھروں کو ٹکرا کر اس نے بار بار دیکھا ہو گا کہ آگ نکلتی ہے یا نہیں اور اس نے جو نتیجہ نکالا تھا وہ صحیح تھا یا غلط۔ یہ ہے درحقیقت انسانی علم —— علم بالحواس، علم بالعقل۔

لیکن علم کا ایک تیسرا ذریعہ بھی ہے جس کو شاہ اسمٰعیلؒ نے علم بالقلب قرار دیا ہے۔ علم کا ایک source دل بھی ہے۔ یہ درحقیقت فلسفۂ قرآن کے اعتبار سے نہایت اہم اور بنیادی موضوع ہے جس سے مغربی فکر کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے آج کے اکثر و بیشتر مسلمان بلکہ بڑے بڑے سکالرز اور مفکرین، حتیٰ کہ جو لوگ activist ہیں، دینی میدان کے اندر کام کر رہے ہیں احیائے اسلام کی جدوجہد کر رہے ہیں یا سیاسی میدان میں اسلام کی برتری کے لئے کوشاں ہیں، وہ بھی اس حقیقت سے بہت حد تک ناواقف رہ گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسان درحقیقت صرف حیوان نہیں ہے بلکہ اس کے وجود کا ایک مستقل حصّہ اور بھی ہے۔ یہ ایک Composite Being ہے، مرکب وجود کا حامل ہے۔ ہر انسان میں ایک مکمل حیوان بھی موجود ہے، لیکن صرف حیوان نہیں ؎

ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے!

کچھ اور حقیقت بھی ہے اور وہ اس کا Spiritual Being اس کی روحانی حقیقت، اس کا روحانی وجود ہے۔ اس روح کا مسکن یہ "قلب" ہے۔ جس طرح سے ہمارے حیوانی وجود کے Sources of Knowledge ہیں اسی طرح یہ روح دیکھتی بھی ہے، لیکن اس آنکھ کے ذریعہ نہیں۔ یہ روح سنتی ہے، لیکن اس کان کے ذریعے سے نہیں۔ اس روح کی اپنی ایک عقل ہے، اس کے اپنے اندر ایک تفقہ ہے۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے ﴿ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴾ (الحج : ۴۶) "آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں"۔ ابوجہل کی یہ آنکھیں اندھی نہیں تھیں، ابولہب کی آنکھیں تو بڑی بڑی تھیں، وہ سرخ و

© rasailojaraid.com

سفید رنگت، شعلہ رُو انسان تھا، اس کا دل اندھا تھا۔ معلوم یہ ہوا آنکھ دیکھ رہی ہے دل نہیں دیکھ رہا، روح نہیں دیکھ رہی، روح اندھی ہو چکی ہے۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے کہ ﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ﴾ (الاعراف : ۱۷۸) دل تو ہے تفقہ نہیں ہے۔ معلوم ہوا دل کا ایک Function تفقہ بھی ہے۔ يَعْقِلُوْنَ کا لفظ بھی آیا ہے ﴿ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا ﴾ "ان کے دل ہوتے جن سے کہ یہ تعقل کرتے۔"

گویا کہ انسان میں دو عقلیں جمع ہیں۔ ایک عقل حیوانی ہے اور ایک عقل روحانی ہے۔ عقل حیوانی کا تعلق اس دماغ سے ہے، اس Brain کے کمپیوٹر سے ہے اور عقل روحانی کا تعلق قلب سے ہے۔ میں اس چیز کو چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کے سامنے واضح کر دوں۔ یہ جو ہمارا عقلی علم ہے، یہ حیوانی علم سے صرف ایک درجہ میں بلند تر ہے۔ اس میں کمیت کے اعتبار سے (Quantitative) فرق ہے، نوعیت کے اعتبار سے (Qualitative) نہیں ہے۔ ایک مرتبہ میری ایک observation تھی، میں نے ایک تجربہ کیا۔ ایک کیڑا ایک خاص سمت میں چل رہا تھا، میں نے اس کے آگے ایک تنکا رکھ دیا، اس نے اپنا رخ تبدیل کر لیا، اس کا مطلب ہے feeling اس میں بھی ہے۔ اور feel کر کے Sense Perception کے بعد اس نے ایک فیصلہ کیا کہ آگے ایک رکاوٹ ہے، لہٰذا مجھے اپنا رُخ تبدیل کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس نے رخ بدل لیا۔ میں نے پھر اس کے آگے تنکا رکھ دیا۔ اس نے پھر اپنا رخ تبدیل کیا۔ چار پانچ مرتبہ کے بعد آخر اس نے اس تنکے کو اوپر سے عبور کر لیا۔ معلوم ہوا کہ اس نے سوچا ہے، غور کیا ہے۔ اس کی Sense Perception مکمل ہے۔ جبھی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ رکاوٹ میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی، اب مجھے اسے عبور کرنا ہے۔ اس کے لئے کسی طرح اس سے بچنا ممکن نہیں رہا تھا، لہٰذا وہ اس کے اوپر سے گزرا ہے۔ یہی تو ہے انسانی علم۔ یوں سمجھئے کہ اس کا کمپیوٹر چھوٹا سا ہے، ہمارا کمپیوٹر بہت بڑا ہے، Super Computer ہے۔ نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، حیوانی علم میں اور انسانی علم میں۔ نوعیت کے اعتبار سے اگر کوئی شے یکسر مختلف ہے تو وہ علم بالقلب ہے۔ یہ علم بالقلب یا علم بالروح وہ شے ہے جسے آج کی دنیا E.S.P کے نام سے تسلیم کر رہی ہے، یعنی "Extra sensory Perception"۔ کسی زمانے میں اس کے لئے الفاظ بڑے

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

مبہم تھے جو ہم استعمال کرتے تھے' مثلاً "وجدان" (intution)۔ یعنی ایک چیز تو وہ ہے جو مجھے معلوم ہے کہ اس source سے معلوم ہوئی۔ کسی نے مجھے بتایا' میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا' یا ایک اور خبر آئی کسی اور جگہ سے' میں نے دونوں کو compare کیا۔ جو خبر زیادہ صحیح معلوم ہوئی' میں نے اسے تسلیم کر لیا۔ یہ تو وہ علم ہے جو میرے معلوم ذرائع سے حاصل ہوا۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچانک ایک خیال دل میں آتا ہے' ہم کہتے ہیں کہ بھئی مجھے کچھ وجدانی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ آخر یہ الفاظ جو ہماری زبان کے وضع ہوئے تو ہمارے احساس کی بناء پر ہوئے ہیں۔ چنانچہ اکثر یہ تجربہ ہوتا ہے اور ہمیں وجدانی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ یہ معاملہ یوں نہیں یوں ہے' اگرچہ رپورٹ مختلف ہے' اخبار مختلف ہیں۔ باتیں جو آرہی ہیں' وہ مجھے کسی اور طرف لے جا رہی ہیں لیکن میرا وجدان کہتا ہے کہ بات یوں نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ آج بہت بڑا میدان بن چکا ہے سائنٹیفک ریسرچ کا۔ یہی Extra Sensory Perception علم بالروح یا علم بالقلب' درحقیقت آج مذہب کا اصل میدان ہے۔

جہاں تک طبعی علوم کا تعلق ہے وہ انسان کی مشترک متاع ہے۔ یہ علم تو حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کے ساتھ ہی دے دیا گیا بایں معنی کہ اس کا Mechanism Apparatus پورے کا پورا آدم کی شخصیت میں ودیعت کر دیا گیا کہ اس کو دیکھو' سنو' نتیجہ نکالو' memory میں اس کو feed کر دو' پھر کچھ دیکھو گے' پھر refer کرنا اور پھر نتیجہ نکالنا۔ یوں علم آگے بڑھے گا' اس علم کو قلم کے ذریعہ قلمبند کرنا تا کہ اگلی نسل کو منتقل ہو سکے۔ یہ علم اس طور سے Observation سے حاصل ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ یہ Basic Faculties آدمؑ کو دے دی گئیں۔ یہ کمپیوٹر بھی دے دیا گیا اور یہ Extra Sensory Perception بھی دے دیا گیا۔ اب اسی کی exfoliation ہو رہی ہے۔ جیسے کہ ایک گٹھلی کے اندر پورا آم کا درخت موجود ہے۔ یہ درخت اسی گٹھلی میں سے نکلتا ہے' اسی میں سے برآمد ہوتا ہے۔ in miniature وہ پورا آم کا درخت اس گٹھلی میں ہے۔ حضرت آم کو گویا کہ یہ سارا علم دے دیا گیا' تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی exfoliation ہوئی ہے۔ وہ علم بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

آج یہ علم کہاں تک پہنچ گیا ہے۔ علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

یہ علم کہاں سے کہاں تک انسان کو لے گیا ہے اور یہی علم ہے جو خلافت کی بنیاد ہے۔

قوموں کے عروج کی بنیاد : سائنس اور ٹیکنالوجی

اسی حقیقت سے میرا ایک دیرینہ مسئلہ حل ہوا۔ ایک حدیث ہے، مسلم شریف کی روایت ہے، لہٰذا اس کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا۔ راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، فقہائے صحابہ میں سے ہیں، بڑے ذی شعور، ذی فہم، لہٰذا اس اعتبار سے بھی اس حدیث کا پایہ بہت بلند ہے۔ متن یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ((اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ)) "اللہ تعالیٰ اب اس کتاب (قرآن) کی بدولت قوموں کو اٹھائے گا (بام عروج پر پہنچائے گا) اور اسی کو ترک کرنے کی بناء پر انہیں گرا دے گا (ذلیل و خوار کر دے گا)"۔ یہ حدیث ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، لہٰذا ہمارے سر آنکھوں پر، سمجھ میں آئے تب بھی، نہ سمجھ میں آئے تب بھی، ہمارے ایمان کا تقاضا ہے، هُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ۔ لیکن یہ کہ دل میں تو خلش تھی کہ مغربی اقوام کو اتنا ترفع حاصل ہوا، اتنی ترقی انہوں نے کی۔ دنیا پر غالب تھے، ان کی تہذیب کا سکہ اب بھی رواں ہے، اگرچہ بظاہر وہ نوآبادیاتی دور ختم ہو چکا ہے، لیکن حقیقت میں کسی دوسری شکل میں پورا کا پورا ان کا تسلط موجود ہے۔ انہوں نے جکڑا ہوا ہے پوری نوع انسانی کو۔ New World Order یا Jew World Order جو ہے، یہ سب کچھ آخر کس بناء پر ہے۔ حدیث تو کہہ رہی ہے کہ اس کتاب کی وجہ سے لوگوں کو عروج نصیب ہو گا۔ قومیں ابھریں گی اس کتاب کی بنا پر، گریں گی اس کتاب کی بنا پر۔ گویا کہ یہ اقوام کی قسمتوں کی میزان ہے۔ ایک طرف حدیث کے یہ الفاظ، دوسری طرف مشاہدہ یہ ہے کہ غلبہ دشمنانِ دین کو حاصل ہے، تو ایک خلجان رہا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ انہوں نے بھی درخواست کی تھی ﴿رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی﴾ "پروردگار مجھے دکھا کیسے زندہ کرے گا تو مُردوں کو" ﴿قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ﴾ ___ اللہ نے فرمایا : کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟ عرض کیا : کیوں نہیں،

© rasailojaraid

ایمان تو ہے' مانتا ہوں لیکن ذرا دل کا اطمینان میں چاہتا ہوں' کوئی خلجان نہ رہ جائے' پوری طرح دل ٹھک جائے۔ تو اس درجہ میں اگر کبھی ہمارے دل میں بھی کوئی پیاس پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں' بلکہ یہ کیفیت علم کے بڑھنے کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔ علامہ اقبال کے خطبات Reconstruction of Religious Thought in Islam میں مجھے اس کا جواب ملا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مغربی تہذیب (Western Culture) کا Inner Core خالص قرآنی ہے۔ اس لئے کہ وہ ﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً ﴾ کو بھرپور طریقہ پر بروئے کار لائے۔ قرآن نے جس علم کو خلافت کی بنیاد قرار دیا ہے اس علم کو انہوں نے persue کیا' اس میں ارتقاء کیا' اس میں ترقی کی' اس کو پروان چڑھایا۔ یہ علم بھی درحقیقت ہے تو اسی علم کا ایک حصہ جس کو قرآن مجید اس اہتمام سے خلافت انسانی کی اصل اساس قرار دے رہا ہے' یعنی علم الاسماء۔ اور اس علم الاسماء میں اشیاء کے خواص (Properties of the matter) اور طبعی قوانین (Physical Laws) یا طبعی تبدیلیوں اور کیمیائی تبدیلیوں کے قوانین ہیں۔ آخر یہی چیزیں ہیں کہ جن کو انسان نے دریافت کیا اور ان دریافتوں کے نتیجہ میں جو بھی سائنٹیفک ارتقاء ہوا' ٹیکنالوجی بڑھتی چلی گئی' تو یہ اسی قانون ربانی پر عمل کا ظہور ہے۔ باقی ان کی تہذیب میں جو چیزیں آسمانی ہدایت کے منافی آ گئی ہیں' اضافی آ گئی ہیں' ان کو اس وقت اپنے ذہن سے خارج کر دیجئے۔ لیکن یہ ترقی' یہ غلبہ انہیں اگر ہوا ہے تو یہ اسی علم الاسماء کی ترویج و ترقی میں جس طریقہ سے کہ انہوں نے محنت کی ہے اسی کے نتیجہ میں ہوا اور وہی درحقیقت خلافت ارضی کی بنیاد ہے۔

علم بالقلب کی مختلف صورتیں

دوسرا علم جیسا کہ میں عرض کر رہا تھا کہ علم بالقلب ہے۔ اس علم بالقلب یا علم بالروح میں سے عام انسانوں کو بھی حصہ ملتا ہے' جیسے ہم کہتے ہیں کہ میرے دل میں کوئی بات آ گئی' یعنی وجدان یا Extra Sensory Perception۔ اسی کے لئے اصطلاحات ہیں الہام' القاء' کشف' رویائے صادقہ' ان چیزوں کا لوگوں کو تجربہ ہوتا ہے۔ کوئی انسان ایک واقعہ خواب میں دیکھتا ہے' چند دنوں بعد وہ واقعہ جوں کا توں ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ حدیث میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے' حضور ﷺ پر جس چیز سے وحی کا

© rasailojaraid
© rasailojaraid

سلسلہ شروع ہوا وہ سچے خواب "رویائے صادقہ" تھے۔ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے وہ جیسے صبح نمودار ہو جاتی ہے' بالکل اسی طرح وہ واقعات ظہور پذیر ہو جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی روح مبارکہ کا ایک رابطہ قائم ہو گیا اس غیر مرئی عالم کے ساتھ' عالم امر کے ساتھ۔ عالم خلق سے بلند تر جو عالم ہے اس کے ساتھ رابطہ استوار ہو گیا۔ یہ چیزیں ہیں جن کو ہمارے ہاں کشف' الہام' رویائے صادقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی کی بلند ترین شکل ہے "وحی"۔ اگرچہ لفظ وحی کا اطلاق قرآن مجید میں شہد کی مکھی پر بھی ہوا ہے ﴿ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ ﴾ یعنی جو جبلی ہدایت اس میں اللہ نے رکھ دی ہے کہ وہ پھولوں کا رس چوس کر شہد تیار کرے۔ اور اس طرح شہد کی پروڈکشن کا جو بھی اس کے اندر Mechanism رکھ دیا ہے' شہد کی تیاری کا یہ طریقہ کار اسے گویا کہ وحی کیا گیا ہے۔ نیز وحی غیر انبیاء کو بھی ہوتی ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اللہ نے وحی کی کہ بالکل مت گھبراؤ' ہم تمہارے اس بچے کو اپنی حفاظت میں رکھیں گے۔ اس کو کسی صندوق میں ڈالو اور پھر صندوق کو دریا کے سپرد کر دو' حالانکہ وہ نبی نہیں ہیں۔ وحی کی یہ قسم درحقیقت یوں سمجھئے کہ الہام' القاء' کشف' رویاء' تحدیث ہی کی ایک شکل تھی۔ تحدیث یہ ہے کہ کوئی بات آپ کے دل میں آ گئی۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں ((نَفَخَ رَبِّیۡ فِیۡ رَوۡعِیۡ)) "میرے رب نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی"۔ یہ چیزیں درحقیقت وحی سے کمتر درجے کی ہیں۔ اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ وحی کی یہ قسم بند نہیں ہوئی ہے۔ یہ وحی تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ البتہ اس کی بلند ترین شکل "وحی نبوت" ہے جو کہ فرشتے کے ذریعے سے قلب کے اوپر نازل ہوتی تھی۔ تو یہ ہے درحقیقت علم کا دوسرا بڑا ذریعہ۔

اب ذرا آگے چلئے' میں نے ان علوم کے دو حصے قائم کئے ہیں' ایک جو انسانی علم ہے' جس میں کہ علم بالحواس اور علم بالعقل' ان دونوں کے مجموعے سے انسان علم حاصل کر رہا ہے۔ اس علم کا سب سے بڑا مظہر طبعی علوم (Physical Sciences) یا سائنس اور ٹیکنالوجی ہے اور اس کی بھی بے شمار شاخیں ہیں' کبھی فزکس صرف ایک مضمون کا نام تھا اب اس کی سینکڑوں شاخیں ہیں اور ہر شاخ مستقل مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح Zoology کبھی ایک علم تھا' اب نہ معلوم اس کی کتنی شاخیں ہیں۔ اس کی

© rasailojaraid.com

وسعت‘ اس کا پھیلاؤ‘ پھر اس کی بلندی ؏ ”عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں“ کے مصداق کہاں تک پہنچ گیا ہے۔

ایک علم یہ ہے‘ یہ جاری ہے‘ چلتا رہے گا‘ لیکن اسی انسانی علم کا ایک دوسرا گوشہ بھی ہے۔ انسان نے جہاں یہ علم الاشیاء حاصل کیا‘ bit by bit قدم بہ قدم‘ کتنے ہزار سال میں آج ہم یہاں پہنچے ہیں۔ لیکن انسان نے ہمیشہ اپنے اندر ایک خواہش محسوس کی کہ مجھے حقیقتِ کلی کا علم بھی ہونا چاہیے۔ یعنی یہ کائنات کیا ہے‘ یہ گورکھ دھندا کیا ہے‘ یہ کب سے ہے‘ کب تک رہے گی۔ آیا یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی‘ آیا اس کی کوئی ابتداء اور انتہا بھی ہے یا نہیں۔ کیا یہ خود بخود بن گئی ہے؟ یا اِس کو کسی نے بنایا ہے؟ اگر کوئی بنانے والا ہے تو وہ کون ہے؟ اس کی ہستی کیسی ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ پھر یہ کہ ہم کہاں سے آئے ہیں؟ یہ تو معلوم ہے کہ ہماری ولادت ہوئی آج سے ۵۰ سال‘ ۶۰ سال پہلے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس سے پہلے نو مہینے ہم نے اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بھی گزارے ہیں۔ تو کیا بس یہی ہمارا آغاز ہے۔ اور کیا موت ہمارا خاتمہ ہے یا اس کے بعد بھی کچھ ہے؟ تو اگر ہمارا وجود بس یہی کچھ ہے ؎

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

تو یہ کیا زندگی ہوئی۔ اسی کو ذرا اور انداز میں فیض نے کہا ہے کہ ؎

اک فرصتِ گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

لیکن کیا زندگی بس اتنی ہی ہے؟ یہ سوالات ہیں جو انسان کو پریشان کرتے رہے۔ پھر خیر کیا ہے‘ شر کیا ہے‘ اب یہ کوئی Physical Object تو نہیں ہے جس کا علم سماعت و بصارت سے حاصل ہو جائے۔ یہ Ethical Values کیا ہیں‘ Moral Values کیا ہیں؟ یہ حقیقت ہے یا سراب ہے جسے ہم نے خواہ مخواہ گھڑ لیا ہے کہ سچ بولنا اچھا ہوتا ہے اور جھوٹ بولنا بُرا ہوتا ہے۔ یہ اخلاقی اقدار مستقل اور حقیقی ہیں یا عارضی (Arbitrary) ہیں‘ یا صرف ہماری قوّتِ واہمہ نے ان کو ایک شکل دی ہے؟ پھر یہ کہ انسان کیا ہے؟ زندگی آیا صرف یہی چالیس‘ پچاس سال ہے یا اس سے آگے بھی ہے؟ کیا

© rasailojaraid.com

انسان نرا حیوان ہے یا اس کے علاوہ بھی اس کی کوئی حقیقت ہے؟

یہ سارے سوال ہیں کہ جن سے فلاسفہ بحث کرتے رہے ہیں۔ للہذا انسانی علم کا دوسرا گوشہ ہے ان فلسفیانہ سوالات کی پیاس Philosophical Quest ایک جستجو' ایک تلاش' حقیقتِ کلی کو جاننے کی خواہش' مکتی کا راستہ کونسا ہے' نجات (Salvation) کا راستہ کونسا ہے۔ گوتم بدھ نے مشاہدہ کیا دکھ کا' وہ کہتا ہے "سروم دکھم" ہر جگہ دکھ ہے' کرب ہے' ہر جگہ suffering ہے۔ اس سے نجات کی کوئی شکل ہے کہ نہیں؟ اور آپ کو معلوم ہے کہ عین عالم شباب یعنی تیس برس کی عمر میں گوتم بدھ اپنے شیر خوار بچے اور جوان بیوی کو سوتا ہوا چھوڑ کر جنگل میں نکل گیا' حالانکہ وہ کپل وستو کا شہزادہ ولی عہد تھا' لیکن اس نے کہاں کہاں کی خاک چھانی ہے' کہاں کہاں کے رشیوں منیوں کی خدمت میں رہا ہے اور ان کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا ہے؟ یہ ایک پیاس ہے جو انسان حقیقت کلی کو جاننا چاہتا ہے۔

© rasailojaraid.c

تو گویا کہ انسانی علم کے بھی دو گوشے ہیں۔ ایک طبعیات (Physical Science) کا علم ہے' جو رفتہ رفتہ حاصل ہوا ہے اور آج انسان جہاں تک پہنچ گیا ہے اس کا کچھ اندازہ تو ہمیں ہے لیکن ابھی کہاں تک پہنچے گا ہمیں کچھ اندازہ نہیں۔ اسی طرح انسان نے حقیقت کلی کی دریافت کی کوششیں بھی کیں۔ وہ چاہے ارسطو ہو' افلاطون ہو' سقراط ہو یا گوتم بدھ ہو' مہاویر ہو' کنفیوشس ہو' تاؤ ہو' ہر جگہ پر جہاں بھی انسانی تہذیب موجود رہی ہے ایسے لوگ پائے گئے۔ فلسفہ کے ان حقائق کی تلاش سے متعلق اس علم کے مختلف شعبے ہیں۔ ایک شعبہ جو اصل فلسفہ ہے مابعد الطبیعیات (Metaphysics) کہلاتا ہے' سارے کے سارے عالم سے' عالمِ مادی سے باہر (beyond) کے حقائق کو تلاش کرنے کا انسان میں جذبہ رہا ہے' حالانکہ اس کو معلوم تھا کہ میرے پاس وہ آنکھیں نہیں ہیں جو مادے کے پار (beyond) دیکھ سکیں' میرے پاس وہ کان نہیں ہیں جو اس مادے سے آگے کی آوازیں سن سکیں۔ لیکن مجھے بڑا خوبصورت جملہ یاد آیا کنفیوشس کا' وہ کہتا ہے حکمت کا نقطہ آغاز یہ ہے کہ یہاں بہت سی حقیقتیں ایسی ہیں جو زیادہ حقیقی ہیں ان کے مقابلے میں کہ جو ہم سنتے اور دیکھتے ہیں۔ اس کا جملہ تو یہ ہے

"There is nothing more certain than which cannot be heard, and there is nothing more real than

© rasailojaraid.c

which cannot be seen"

یعنی ان کانوں اور ان آنکھوں سے حاصل ہونے والے علم سے بڑی حقیقتیں تو وہ ہیں جو ان کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ انسان نے ان حقیقتوں کی تلاش بھی کی ہے۔ چنانچہ Meta physics کا علم وجود میں آیا ہے' پھر اسی سے عمرانی علوم عمرانیات (Sociology) سیاسیات (Political Science) اور معاشیات (Economics) کے علوم کے ذریعے انسانی زندگی اور اس کے مسائل کا حل تلاش کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ان علوم کا تعلق بھی طبعی علوم (Physical Science) سے نہیں ہے۔ نفسیات (Psychology) کبھی فلسفہ کی شاخ تھی لیکن آج اس کا تعلق زیادہ تر ہو چکا ہے Physiology سے' لہٰذا اس کی نوعیت بدل گئی ہے۔ لیکن یہ نوٹ کر لیجئے کہ یہ دو شعبے ہیں۔ علم کا ایک شعبہ ہے طبعی علوم (Physical Science) اسی سے Technology مراد ہے' اور یہ علم خلافت کی بنیاد ہے' یہ دراصل علم الاسماء کا ظہور ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو potentially ودیعت کر دیا گیا تھا۔ دوسرا ہے کلی حقائق کی دریافت کی کوشش۔ انسان نے چھلانگیں لگائی ہیں حقیقت کبریٰ کو جاننے کے لئے' لہٰذا مختلف نظریات وجود میں آئے' یہاں ان سے بحث نہیں ہے۔ ہمارا موضوع ہے علم بالقلب کہ جس کا ایک گوشہ وہ علم ہے جو وحی کے ذریعہ سے حاصل ہوا' علم وحی کا ذریعہ انبیاء کرام تھے' جن کی تسلسل کے ساتھ Chain ملتی ہے۔ آخر آپ کو معلوم ہے دنیا میں یہودی بھی انہیں مانتے ہیں' عیسائی بھی مانتے ہیں' مسلمان بھی مانتے ہیں۔ جمع کر لیں تو دنیا کی پوری آبادی کا دو تہائی تو لازماً بن جائے گا جو اُن تمام انبیاء کو مانتے ہیں جن کو عام طور پر کہا جاتا ہے The Prophets of the Old Testament' ان سب کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمارے پاس ایک ذریعۂ علم ایسا ہے جو عام انسانوں کے پاس نہیں ہے۔ ہمارا براہ راست رابطہ ہے اُس ہستی کے ساتھ جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور اس سے ہمیں کچھ حقائق ملے ہیں۔ دراصل وہ علم' علم بالقلب کی بلند ترین صورت ہے جو انبیاء کرام کو وحی کے ذریعہ سے ملا ہے۔ اس کے بھی دو حصے ہیں' جیسے میں عرض کر چکا ہوں' ایک اعتبار سے اس علم کے حصول کا ایک ابتدائی درجہ تو عام انسانوں کو بھی حاصل ہے لیکن صرف محفوظ وحی کہ جس میں نہ تو کسی شیطانی القاء کی آمیزش ہو سکے نہ نفسانی خیالات اس کے اندر دخل اندازی کر سکیں' انبیاء ہی کے پاس آتی ہے۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

فلسفیانہ سوالات کے جوابات کا حتمی ذریعہ : وحی

وحی سے انسانوں کو دو چیزیں حاصل ہوئیں' حکمت اور احکام۔ وہی جو فلسفہ کا موضوع ہے' اسی کے جوابات ہیں کہ جو وحی کے ذریعے دیئے گئے کہ یہ کائنات نہ ہمیشہ سے ہے نہ ہمیشہ رہے گی۔ البتہ ایک ذات ہے جس نے اسے پیدا کیا۔ وہ ہمیشہ سے ہے' ہمیشہ رہے گی۔ وہ ذات تمام کمالات اور محاسن کی جامع ذات ہے "لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى" وہ تنہا ہے' اکیلی ہے' کوئی اس کا مدمقابل نہیں' کوئی اس جیسا نہیں' اس کی کوئی مثل نہیں' کوئی مثال نہیں' کوئی مثیل نہیں' کوئی ضد نہیں' کوئی ند نہیں۔ اس نے جو کائنات بنائی ہے اس کی تخلیق کا نقطۂ عروج یا شاہکار یہ انسان ہے۔ قرآن کہتا ہے ﴿خَلَقْتُهٗ بِيَدَیَّ﴾ (میں نے اس انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے) یہ اہتمام اور پھر یہ فرمانِ خداوندی کہ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۠﴾ "(بنی اسرائیل : ۷۰) "ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی"۔ دراصل اس کی مدح ہے جو قرآن کہہ رہا ہے۔ حدیث میں بھی الفاظ موجود ہیں ((اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ)) (اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے) اس انسانی کی زندگی صرف یہ نہیں ہے کہ جو چند دہائیوں پر مشتمل ہو' بلکہ بہت طویل ہے ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا نہ ناپ
جاوداں' پیہم رواں' ہر دم جواں ہے زندگی!

انسان کا وجود ابدی ہے۔ اس لئے کہ آخرت کے بعد' قیامت کے بعد جو فیصلے بھی ہوں گے ((اِنَّهَا لَجَنَّةٌ اَبَدًا اَوْ لَنَارٌ اَبَدًا)) کے مصداق ہوں گے۔ پھر جو جنت میں جائیں گے وہ بھی ابدی اور جو جہنم میں جائیں گے وہ بھی ابدی۔ اِلاّ یہ کہ جن میں ایمان موجود ہو' لیکن اعمال میں کوتاہی ہوئی ہو' وہ اپنی سزا پا کر جنت میں داخل ہو سکیں گے' یہ ہمارے عقیدہ کا ایک علیحدہ issue ہے۔ لیکن یہ کہ وہ زندگی ابدی ہے۔ یہاں آنے سے پہلے ہم ایک زندگی گزار آئے ہیں جب ہم ارواح کی شکل میں تھے۔ جب ہمارا جسمانی وجود (Physical Body) نہیں تھا' لشکروں کی شکل میں تمام ارواح پیدا کر دی گئی تھیں۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اب رحم مادر میں جو بچہ تیار ہوتا ہے' اس کے ساتھ اس کی وہ روح جو ازل میں پیدا کی گئی تھی وہ شامل کی جاتی ہے۔ گویا انسان کا وجود جسم اور روح کا مرکب ہے۔ زندگی صرف یہ نہیں ہے' اصل زندگی آخرت کی ہے۔ ﴿ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴾ (اصل زندگی تو آخرت کی ہے' کاش یہ جانتے) یہ دنیوی حیات تو کتاب زندگی کا دیباچہ ہے' مقدمہ ہے۔ اصل کتابِ زندگی کھلے گی موت کے بعد۔ اس دنیا کی زندگی تو درحقیقت دار الامتحان ہے۔ ﴿ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ یہ تو ایک امتحانی وقفہ ہے۔ ؎

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اس امتحان کے نتائج آخرت میں نکلیں گے۔ اس Testing ہی کے لئے جہاں اللہ نے تمہیں سماعت دی' بصارت دی' عقل دی' مزید بر آں نیکی و بدی کی تمیز و دیعت کر کے دنیا میں بھیجا ہے' وہاں اس پر مستزاد اس کی رحمت کا یہ مظہر ہوا کہ اس نے کچھ انسانوں کو چن کر ان کے پاس وحی کے ذریعے سے اپنا پیغام بھیجا۔ کوئی نبی نہ آتا تب بھی ہم اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقل کی بنیاد پر اپنے اعمال کے ذمہ دار (responsible) اور مسئول (accountable) تھے۔ لیکن اللہ نے مزید رحم فرمایا اور انبیاء مبعوث فرمائے۔ نبوت اللہ کی رحمت کا مظہر ہے۔ یہ نبوت جب نقطۂ عروج پر پہنچی تو "رحمۃٌ لِّلعالمینی" کی شکل اختیار کر گئی۔ اللہ کا ایک پسندیدہ بندہ' اس کے پاس وحی آئی' پھر اس نے اپنے عمل کے ذریعہ سے ایک نمونہ پیش کیا ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ گویا کہ وہ امتحان آسان بنا دیا گیا۔ یہ رحمت خداوندی کا مظہر ہے' ورنہ نبوت و رسالت نہ ہوتی تب بھی تم اس دار الامتحان میں جواب دہ تھے۔ یہ تمام چیزیں جن کے مجموعے کو ہم کہتے ہیں کہ یہ حقیقت کلی ہے' اس کا نام ایمان ہے۔

اس وحی کے ذریعہ سے دوسری چیز جو ہمیں معلوم ہوئی وہ اعمال ہیں کہ یہ کرو' یہ مت کرو' یہ حرام ہے' ادھر مت جانا' یہ جائز ہے' یہ فرض ہے' یہ لازماً کرنا ہے' یہ مستحب ہے' کرنا چاہو تو کر لو' لازمی نہیں' یہ اعمال ہمیں وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے۔ پھر یہ کہ ان کی حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں کہ یہ کس لئے دیئے گئے۔ یہ تمہیں کسی مشقت میں

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ڈالنے کے لئے نہیں دیئے گئے۔ تمہارے اُس امتحان میں کامیابی کے یہی ذرائع بنیں گے۔ نماز پڑھو تاکہ ہم تمہیں یاد رہیں اور جو تمہارا نفس (Animal being) ہے تم اس پر کنٹرول حاصل کر سکو۔ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔ تمہاری خودی اتنی قوی ہو جائے کہ وہ اپنے حیوانی وجود کے اوپر قابو یافتہ ہو سکے' جس کی بہترین مثال گھوڑا اور گھڑسوار کی ہے۔ اگر گھڑسوار کمزور ہے تو گھوڑے کے رحم و کرم پر ہے' جس کھائی میں چاہے گا پٹخ دے گا۔ لیکن گھڑسوار مضبوط ہے' جم کر بیٹھا ہوا ہے تو اب یہ گھوڑا اس کی خدمت میں ہے' جہاں وہ چاہے گا اس کو لے کر جائے گا۔ اسی طرح تمہارا یہ حیوانی وجود کہیں تم پر غالب آ گیا' یہ نفس امارہ اگر تم پر قابو یافتہ ہو گیا' تمہاری id اور libido اگر تم پر چھا گئی تو تمہیں برباد کر کے رکھ دے گی۔ تمہیں اس قابل ہونا چاہئے کہ تمہاری خودی' Self' تمہاری Ego (یہ فرائیڈ کی اصطلاحات ہیں) اتنی مضبوط ہو کہ تم اپنے اس id اور libido کے اوپر قابو یافتہ ہو۔ اس کے لئے روزہ فرض کیا گیا۔ لہٰذا جو چیز بھی دی گئی ہے' جو حکم بھی دیا گیا ہے اس کی ایک حکمت ہے۔ یہی درحقیقت ہمارے علم کا وہ دوسرا گوشہ ہے۔ پھر ان میں انفرادی اعمال بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔ پھر یہ کہ اس وقت نوعِ انسانی کے لئے اجتماعیات (Social Order) کا سب سے پیچیدہ مسئلہ اقتصادیات کا مسئلہ ہے اور چونکہ آج ہم تاریخ کے اس اہم موڑ پر ہیں' جب نوعِ انسانی ایک بڑے موڑ سے گزر رہی ہے' کیونکہ اس صدی کے آغاز میں جو نیا تجربہ ہوا تھا مارکسزم کا وہ تجربہ فیل ہو گیا۔ اس میں اندرونی طور پر ایسے خلا (Inbuilt weaknesses) تھے جس کے نتیجہ میں وہ کامیاب نہیں ہوا اور اسی وجہ سے آج مغرب میں بڑا احساسِ برتری ہے کہ (Euphoria) ثابت ہو گیا کہ ہمارا نظریہ صحیح ہے' ہمارا نظام صحیح ہے۔ اور ان کا یہ Euphoria ہی ہے جو نیو ورلڈ آرڈر کی شکل اختیار کر رہا ہے' لیکن یہ کہ دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں اور عام طور پر یہ بات کہی جا رہی ہے اندر سے سرمایہ داری نظام بھی ٹوٹ پھوٹ چکا ہے' وہاں کے حالات بھی "سب اچھا نہیں ہے" کے عکاس ہیں۔ بلکہ اب وہاں نئے سے نئے مسائل سر اٹھا رہے ہیں۔ اس وقت ان کا سب سے بڑا مسئلہ معاشی نظام کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے اس نظام میں انہوں نے آسمانی وحی کی حرام کردہ چیزوں کو شامل کر لیا' ورنہ باقی تمام اصول جن کی بناء پر سرمایہ داری کو کم از کم کمیونزم پر برتری اور

© rasailojaraid
© rasailojaraid

فوقیت حاصل ہوئی ہے' آسمانی ہدایت سے قریب تر ہیں۔ مثلاً Market Ecomomy کے اصول کہ کوئی کنٹرول نہیں ہونا چاہئے۔ Hire and Fire کا اصول ہونا چاہیئے۔ انسان جب تک آجر کو مطمئن رکھتے ہوئے کام کرتا ہے تو وہ اسے برقرار رکھے' اگر وہ کام ٹھیک نہیں کر رہا تو اسے حق ہے کہ نکال دے۔ اسی طرح معیشت میں ذاتی ملکیت کا تصور بھی وحی کی رہنمائی کے قریب ترین ہے' اس سے Personal Incentive پیدا ہوتا ہے اور در حقیقت کمیونزم کی ناکامی کا سبب یہی ہے کہ اس میں شخصی ملکیت نہیں ہے تو incentive ختم ہو گیا۔ آدمی سوچتا ہے کہ میں زیادہ کام کیوں کروں؟ کیوں محنت زیادہ کروں' مجھے تو معین تنخواہ ملتی ہے' جتنی جان چاہے مار لوں یا کام چوری کروں وہ تنخواہ تو مجھے مل ہی جائے گی۔ اس لئے محنت کرنے کا جذبہ ختم ہو گیا۔ ان تمام ترغیبات کو اسلام نے قائم رکھا' البتہ اس وحی آسمانی نے بعض اشیاء کو معین کر کے ممنوع (حرام) قرار دے دیا جو کہ بے محنت [illegible] دکھاتی ہیں۔ مثلاً یہ جوا جو ہے در حقیقت خمر کی بہن ہے۔ جیسے شراب کے ذریعہ سے انسان حقائق سے گریز کرتا ہے۔

میں میکدے کی راہ سے ہو کر گزر گیا
ورنہ سفر حیات کا بے حد طویل تھا

اسی طرح جوا بھی محنت سے گریز کی راہ ہے اور محنت کی بجائے داؤ لگا کر اور چانس کے ذریعہ سے کچھ کمانے کی کوشش ہے۔ اصل شے جس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے وہ ہے سود۔ گویا معیشت سے ایک چیز یعنی سود نکال دو' باقی اپنے تمام اصول برقرار رکھو' کیونکہ یہ سود وہ شے ہے کہ جس کے باعث ایک طرف دولت کے ڈھیروں انبار بنتے چلے جائیں گے' دوسری طرف فقر ہوگا' احتیاج ہوگی۔ امریکہ کی سرزمین میں بھی انسان کم ترین سطح پر زندگی گزار رہا ہے' یہ فرق و تفاوت سود کا لازمی نتیجہ ہو گا۔ اس وقت میرا موضوع معاشی نظام نہیں ہے' لیکن یہ کہ آسمانی ہدایت نے صرف چند مقامات پر Red Signals قائم کر دیئے ہیں کہ یہ Danger Zone ہے' اس سے آگے مت بڑھنا۔ بس اس کے بعد انسان کو آزاد چھوڑ دیا ہے کہ اب غور و فکر کرو' سوچ و بچار کرو۔ یہ ہے وہ دوسری چیز کہ جو ہمیں وحی سے ملی ہے۔ (جاری ہے)

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.